جناب پروفیسر محمد سلیمان اظہر
اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

قسط نمبر ۲

تحریکِ ختمِ نبوت کے گمشدہ اوراق

قارئین محترم، گزشتہ شمارے میں ہم بتا چکے ہیں کہ تحریکِ ختمِ نبوت کا آغاز کب اور کیونکر ہوا۔ ہمارے نزدیک ۱۸۹۱ء تحریک کے آغاز کا سال ہے اور بانی تحریک حضرت مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی اعلی اللہ مقامہٗ ہیں۔ گزشتہ شمارے میں ہم ان کی سرگرمیوں کا ایک جائزہ آپ کے سامنے پیش کر چکے ہیں۔ وہ تفصیلات زیادہ تر ۱۸۹۱ء کی تھیں۔ اگرچہ بعض باتیں موقع و محل کی مناسبت سے سنین مابعد کی بھی آگئی ہیں۔ لیکن ہم چاہتے ہیں کہ اپنی گزارشات سنین کی ترتیب کے لحاظ سے پیش کریں۔ اس لئے ہم مولانا بٹالوی کی مزید خدمات جو بلحاظ زمانہ بعد کی ہیں، انہیں چھوڑ کر اپنے آپ کو فی الحال ۱۸۹۱ء تک محدود رکھتے ہیں۔ اس سال میں آغاز تحریک کے بعد کچھ اور افراد بھی تحریک کی صفوں میں آن شامل ہوئے۔ اور یہ لوگ بھی ایسے ہیں جو اگرچہ دوسرے میدانوں میں شہرت رکھتے ہیں لیکن تحریکِ ختمِ نبوت کے مؤرخین اس تحریک میں ان کی سرگرمیاں یا تو پیش ہی نہیں کرتے، اور اگر کرتے ہیں تو سرسری انداز میں۔ اور ان کا جائز مقام دینے کو تیار نہیں ہوتے۔ حالانکہ تحریک کے سابقون الاولون ساری امت کے شکریہ کے مستحق ہیں۔ اور ان کی مساعی جمیلہ کا اعتراف اور انہیں خراجِ تحسین پیش کرنا ہمارا فرض ہے ——— کون نہیں جانتا کہ مرزا صاحب کب مسیح موعود بن گئے، کب ان کا دعویٰ مسیحیت منظرِ عام پر آیا اور کس نے ان کی مخالفت کا آغاز کیا؟ اگر کسی کو شک ہو تو ڈاکٹر بشارت احمد کی کتاب "مجدد اعظم" دیکھ لے۔ جس میں لکھا ہے:

"یکایک ۱۸۹۰ء میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام کے ذریعے ایک زبردست انکشاف ہوا اور وہ یہ کہ مسیح ابن مریم فوت ہوگیا ہے اور آنے والا مسیح موعود ابن مریم آپ ہی ہیں آسمان سے آنے والا کوئی نہیں۔ الہام کے الفاظ یہ تھے:

"مسیح ابن مریم فوت ہوگیا اور جعلناک المسیح ابن مریم" (ص ۲۲۳، جلد اوّل)

اور چند صفحات آگے چل کر لکھا ہے:

"اپنے دعاوی پر ۱۸۹۰ء میں آپ نے دو کتابیں تصنیف کیں جن کا نام ہے "فتح اسلام" اور "توضیح مرام" مگران کتابوں کی اشاعت لدھیانہ سے ۱۸۹۱ء کی ابتدا میں ہوئی۔ ان کی اشاعت سے قبل ۲۶ مارچ ۱۸۹۱ء کو پہلے ایک اشتہار کے ذریعے اپنے دعویٰ مسیحیت کا اعلان کیا۔"

(مجدد اعظم جلد اول ص ۲۴۴)

اور پھر ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

"مولوی محمد حسین صاحب بری طرح بگڑ گئے اور سب سے پہلے مخالفت کا علم انہوں نے ہی کھڑا کیا۔ اور کہنے لگے کہ میں نے ہی اس کو (مرزا صاحب کو) اٹھایا تھا، میں ہی گراؤں گا۔" (ص ۲۴۲ "مجدد اعظم" جلد اول)

اب ہم مولانا کی مساعی جمیلہ کے ذکر خیر کو عارضی طور پر چھوڑ کر آگے بڑھتے ہیں:

۱۸۹۱ء میں تحریکِ ختم نبوت میں شامل ہونے والے افراد میں حضرت شیخ الکل سید محمد نذیر حسین محدث دہلویؒ المعروف میاں صاحب سب سے نمایاں ہیں۔ ان کی اہمیت اس لیے دوچند ہو جاتی ہے کہ بانی تحریک مولانا بٹالوی نے جو کچھ بھی کیا، وہ آپ ہی کے زیر سرپرستی کیا ہے۔ میاں صاحب برِّصغیر میں کوئی غیر معروف شخصیت نہیں ہیں۔ لیکن قارئین تاریخ تحریکِ ختم نبوت کے لئے وہ یقیناً غیر معروف ہیں۔ حالانکہ اس میدان میں بھی ان کی خدمات رفیع الشان ہیں۔ ان کی خدماتِ تحریک کا تذکرہ تو آج ہم نذر قارئین کریں گے۔ پہلے مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم کی زبانی آپ کا عمومی مقام و مرتبہ ملاحظہ فرما لیجیے۔ مولانا ندوی فکر شاہ ولی اللہ اور خاندان ولی اللہی کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنی عربی تصنیف "تاریخ الدعوۃ الاسلامیہ فی الہند" میں رقم طراز ہیں:

"لقد عرفت فی ما سبق ان الامام ولی اللہ کان محققا فی الفقہ لا یتقید بمذھب دون مذھب۔ لکن نجلہ الکبیر الشاہ عبد العزیز دھلوی کان یمیل الی الحنفیۃ ولم یکن علی غرار ابیہ فی التحقیق والاجتہاد۔ فانقسمت تلامذۃ ھذا البیت الکریم الی الحنفیۃ البریئۃ عن البدع واھل الحدیث . . . فالحنفیۃ الدیوبندیۃ ینتسبون الی الامام ولی اللہ بطریق الشیخ محمد قاسم النانوتوی عن الشیخ عبد الغنی مجددی عن شاہ عبد العزیز

دھلوی - امام اہل الحدیث فیقل نسبھم العلمی بالبیت الدھلوی بطریق الشیخ ، نذیر حسین البھاری الدھلوی عن الشاہ محمد اسحاق عن شاہ عبد العزیز"

(ص ۱۹۱، ۱۹۰)

اور پھر سید نذیر حسین محدثؒ کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں :

"محدث جلیل من کبار تلامذۃ الشاہ محمد اسحاق الدھلوی وھوالذی تبوأ منصب تدریس الحدیث فی دھلی بعد استاذہ فافاد جماکثیرامن الناس وربما یزید عدد تلامیذہ علی الالوف وھو نظیرنفسہ فی فن الباب وقد رزق عمراطویلاحتی انہ قد تخرج علی یدہ الجد والابن والحفید من بعض بیوتات العلمیۃ - فکانت حلقۃ درسہ اکبر وسیلۃ فی تعمیم مذھب اھل الحدیث فی الھند - اصلہ من قریتہ فی ایالہ (بہار) جاء (دھلی) طالبا ثم استوطنھا توفی سنۃ ۱۳۲۰ ھ عن مأیۃ سنۃ تقریباً" (ص ۱۹۱)

میاں صاحب کے بارے میں ان تعارفی کلمات کے بعد ہم ۱۸۹۱ء میں ان کی تحریک ختم نبوت میں شمولیت اور ان کی خدمات کی جانب آتے ہیں - اس وقت میاں صاحب کی عمر ۹۰ سال کے لگ بھگ تھی - اس لئے وہ نوجوان علماء کی طرح مرزا صاحب کا شہر بہ شہر تعاقب تو نہیں کر سکتے تھے - لیکن جب مرزا صاحب دہلی گئے ، ان کے مدمقابل آپ آن کھڑے ہوئے اور پھر آپ ہی نے وہ تاریخی فتویٰ تکفیر دیا جس کو بنیاد بنا کر علماء اسلام مرزا صاحب کے خلاف سرگرم ہوئے اور بالآخر امت قادیانیہ کو غیر مسلم قرار دلوا کر دم لیا - آیئے ۱۸۹۱ء کی جانب چلیں -

قادیانیوں کے خلیفہ دوم مرزا محمود لکھتے ہیں :

"سب سے پہلے آپ مرزا غلام احمد لدھیانہ گئے اور یہاں اور دیگر دسے علماء نے اکٹھے ہو کر خوب لوگوں کو اکسایا - مگر ڈپٹی کمشنر نے ان کے سردار (مولانا بٹالوی) کو وہاں سے نکل جانے کا حکم دیا تب شور دبا - پھر آپ دہلی گئے جو اس وقت دارالخلافہ ہے اور وہاں ہندوستان کے مولویوں کا جو سردار تھا (سید نذیر حسین محدث دہلوی) اسے آپ نے بالمقابل بلایا کہ وہ قسم کھا کر یہ اعلان کر دے کہ کیا فی الواقع حضرت عیسیٰؑ اب تک زندہ موجود ہیں - اور اس کے لئے جامع مسجد دہلی مقرر کی گئی - وقتِ مقررہ پر ہزارہا لوگ آگئے اور بہت سے لوگ اپنی جھولیوں میں پتھر لائے - اور بعض سونٹے لائے - اور بعض چھریاں اپنے ہاتھوں میں لائے - اور لوگوں نے شور مچایا

کہ مسیحیت کا مدعی زندہ نہ جاتے۔ اور اتفاق یہ ہوا کہ اس وقت مسیح کی طرح آپ کے ساتھ بھی صرف بارہ مرید تھے۔ مگر ان لوگوں نے قابلِ رشک نمونہ دکھایا اور ہر شخص یہ خواہش کرتا تھا کہ کاش آج ہم خدا اور رسول کی راہ میں مارے جائیں۔ اور جب لوگوں نے بجائے مولوی کو قسم کھانے پر مجبور کرنے کے بلوہ کر کے آپ کو قتل کرنا چاہا تو ان بارہ مریدوں نے آپ کے گرد حلقہ بنا لیا۔ اور وہ خدا کے شیر دل سپاہی ان لوگوں سے جن کی تعداد دس ہزار سے بھی زیادہ تھی، خائف نہ ہوئے اور نہ ان کے ہتھیاروں سے ڈرے۔ مگر سپرنٹنڈنٹ پولیس ایک سو سپاہیوں سمیت وہاں پہنچے۔ اس نے لوگوں میں سے راستہ بنایا اور سپاہیوں کے حلقہ میں آپ کو باہر نکال لایا اور نہایت مشکل سے آپ کو گاڑی پر بٹھا کر گھر پہنچایا۔"
(تحفہ شاہزادہ ویلز صفحہ ۵۴)

مرزا محمود کی اس تحریر میں دو واقعات کا ذکر ہے۔ پہلا واقعہ لدھیانہ سے متعلق ہے اور اگست ۱۸۹۱ء کا ہے۔ دوسرا واقعہ دہلی سے متعلق ہے اور اکتوبر ۱۸۹۱ء کا ہے۔ پہلے واقعہ کی نسبت خود مرزا غلام احمد نے ازالۂ اوہام کے آخری صفحہ پر لکھا ہے ؛

"مولوی محمد حسین بٹالوی کو لدھیانہ سے نکل جانے کا حکم ڈپٹی کمشنر کی طرف سے ملا تھا۔ لیکن مجھے اخراج کا حکم نہیں ملا"

یہ مباحثہ لدھیانہ کی بات ہے جو ۲۰ جولائی سے شروع ہو کر ۱۳ دن جاری رہا تھا جس میں مرزا صاحب کے اولین مریدوں میں سے عباس علی ان کو داغِ مفارقت دے گئے تھے۔ مرزا صاحب نے مباحثے سے فرار اختیار کرنے کے لئے حکومتِ وقت کا سہارا یوں تلاش کیا کہ مباحثے کے دونوں فریقوں کو لدھیانہ سے نکال دیا جائے۔ پھر ۷ اگست ۱۸۹۱ء کو مرزا صاحب کو اس عذر پر لدھیانہ میں قیام کی اجازت مل گئی کہ ان کے بچے بیمار ہیں۔ ورنہ پہلے اخراج کا حکم دونوں کو ہوا تھا اور ڈپٹی دلاور علی اور کریم بخش تھانیدار تعمیلِ حکم کے لئے دونوں کے پاس آئے تھے۔

دوسرا واقعہ دہلی کا ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ مرزا صاحب دہلی تشریف لے گئے اور وہاں اکتوبر ۱۸۹۱ء میں اشتہار بازی شروع کر دی۔

اس سلسلے کا پہلا اشتہار ۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو انہوں نے "ایک عاجز مسافر کا اشتہار دہلی میں" کے عنوان سے شائع کرایا تھا۔ جو دوسری متعدد کتابوں کے علاوہ ڈاکٹر بشارت احمد کی کتاب "مجدد اعظم" جلد اول مطبوعہ لاہور ۱۹۳۹ء کے صفحہ ۲۹۹ پر موجود ہے۔ جس کے پسِ منظر کی وضاحت کرتے ہوئے

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں :

"حضرتِ اقدس مرزا صاحب لدھیانہ سے قادیان تشریف لے گئے ۔ وہاں سے کچھ روز کے بعد واپس لدھیانہ تشریف لا ئے۔ وہاں ایک ہفتہ رہ کر دہلی کا قصد کیا ۔ اس زمانہ میں دہلی علمِ دین کے لحاظ سے ایک مرکز کی حیثیت رکھتا تھا ۔ بالخصوص وہاں مولوی نذیر حسین دہلوی ایک بہت بڑے عالم و فاضل تھے جو اہل حدیث ہیں تمام علماء کے سرتاج اور استاد گنے جاتے تھے اور شیخ الکل کہلاتے تھے ۔ ایک اور مولوی مقلدین میں وہاں مشہور تھے ۔ جو گورنمنٹ سے شمس العلماء کا خطاب بھی رکھتے تھے اور جن کا نام مولوی عبد الحق تھا ۔ اور تفسیر حقانی کے مصنف تھے ۔ اس کے علاوہ اس زمانہ میں وہاں مولویوں کا دنگل لگا ہوا تھا ۔ حضرت مرزا صاحب نے خیال کیا کہ وہاں اتمامِ حجت کا اچھا موقع ہے ۔ اور علماء سے گفتگو کرنے سے شاید کچھ نتیجہ خاطر خواہ نکل آئے ۔ . . . حضرت صاحب سے ایک دن قبل مولوی محمد حسین بٹالوی بھی دہلی پہنچ گیا ۔ اور اپنے استاد مولوی نذیر حسین دہلوی اور دوسرے علماء کو خوب بہکایا ۔ اور ان علماء کے ذریعے دہلی کی آبادی کو ایسا بھڑکایا کہ مخالفت کی آگ پورے زور سے چاروں طرف پھیل گئی ۔ دہلی والوں نے مخالفت کی انتہا کر دی ۔ آخر حضرت مرزا صاحب نے ان غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لئے جو مولویوں نے پھیلا رکھی تھیں ، ایک اشتہار بعنوان "ایک عاجز مسافر کا اشتہار دہلی میں " نکالا " (مجدد اعظم جلد اول صفحہ ۲۹۹)

اس اشتہار کے بعد ۶ اکتوبر کو آپ نے حضرت میاں صاحبؒ کو بطورِ خاص مخاطب کر کے یہ اشتہار شائع کیا : ————

" اشتہار بمقابلہ سید نذیر حسین صاحب سرگروہ اہل حدیث "

"چونکہ مولوی سید نذیر حسین صاحب نے جو کہ موحدین کے سرگروہ ہیں اور اس عاجز کو بوجہ اعتقاد وفات مسیح ابن مریم ملحد قرار دیا ہے اور عوام کو شک و شبہات میں ڈالنا چاہا ہے اور حق یہ ہے کہ وہ آپ ہی اعتقاد حیات مسیح میں قرآن کریم اور احادیثِ نبویہ کو چھوڑ بیٹھے ہیں ۔ اول اہل حدیث کا دعویٰ کر کے اپنے بھائیوں حنفیوں کو بدعتی قرار دیا ۔ اور امام بزرگ حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام لگایا کہ ان کو حدیثیں نہیں ملی تھیں اور وہ اکثر احادیثِ نبویہ سے بے خبر ہی رہے تھے ۔ اور اب باوجود دعویٰ اتباع قرآن و حدیث کے حضرت مسیح ابن مریم کی حیات کے قائل ہیں ۔ و ہٰذا العجب العجائب ۔ اگر کوئی عوام میں سے ایسا کہتا اور خلاف قال اللہ

قال الرسول دعویٰ کرتا تو کچھ افسوس کی جگہ نہ تھی۔ لیکن یہی لوگ جو دن رات درسِ قرآن و حدیث جاری رکھتے ہیں اگر ایسا بے اصل دعویٰ کریں تو ان کی علمیت اور قرآن دانی اور حدیث دانی پر سخت افسوس آتا ہے۔ یہ بات کسی متنفس پر پوشیدہ نہیں رہ سکتی کہ قرآن کریم اور احادیثِ نبویہ باوازِ بلند پکار کر کہہ رہی ہیں کہ فی الواقع حضرت مسیح وفات پا چکے ہیں۔ مگر جن لوگوں کو عاقبت کا اندیشہ نہیں، خدا تعالیٰ کا کچھ خوف نہیں۔ وہ تعصب کو مضبوط پکڑ کر قرآن اور حدیث کو پسِ پشت ڈال دیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اس امت پر رحم فرمائے لوگوں نے کیسے قرآن اور حدیث کو چھوڑ دیا ہے۔ اور اس عاجز نے اشتہار ۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء میں حضرت مولوی ابو محمد عبد الحق صاحب کا نام بھی درج کیا تھا مگر عند الملاقات اور باہم گفتگو کرنے سے معلوم ہوا کہ مولوی صاحب موصوف ایک گوشہ نشین آدمی ہیں۔ اور ایسے جلسوں سے جن میں عوام کے نفاق و شقاق کا اندیشہ ہے، طبعاً کارہ ہیں۔ اور اپنے کام تفسیرِ قرآن کریم میں مشغول ہیں۔ اور شرائط اشتہار پورے کرنے سے مجبور ہیں۔ کیونکہ گوشہ نشین ہیں۔ حکام سے میل ملاقات نہیں رکھتے اور بباعث درویشانہ صفت کے ایسی ملاقاتوں سے کراہیت بھی رکھتے ہیں۔ لیکن مولوی نذیر حسین اور ان کے شاگرد بٹالوی صاحب جواب دہلی میں موجود ہیں ان کاموں میں اول درجہ کا جوش رکھتے ہیں لہٰذا اشتہار دیا جاتا ہے کہ اگر ہر دو مولوی صاحب موصوف حضرت مسیح ابن مریم کو زندہ سمجھنے میں حق پر ہیں اور قرآنِ کریم اور احادیثِ صحیحہ سے اس کی زندگی ثابت کر سکتے ہیں تو میرے ساتھ بہ پابندیٔ شرائط مندرجہ اشتہار ۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء بہ بالاتفاق بحث کریں اور اگر انہوں نے بقبول شرائط اشتہار ۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء بحث کیلئے مستعدی ظاہر نہ کی اور لیچ اور بے اصل بہانوں سے ٹال دیا تو سمجھا جائے گا کہ انہوں نے مسیح ابن مریم کی وفات کو قبول کر لیا ہے۔ الی آخرہ۔ فاتقوا اللہ ایہا العلماء۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔

المشتہر مرزا غلام احمد از دہلی بازار بلی ماران کوٹھی نواب لوہارو۔ ۶ اکتوبر ۱۸۹۱ء

(تاریخ مرزا۔ صفحہ ۳۹۔ ۴۰ مطبوعہ ۱۹۱۹ء۔ امرتسر)

اس طرح کے کئی اشتہار مرزا صاحب نے یکے بعد دیگرے شائع کرائے۔

۷۔ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم نے جوابی اشتہار دیا کہ ہمیں آپ کی تمام شرائط منظور ہیں۔ ہم جلسے کا انتظام کریں گے۔ اور چونکہ آپ نے مجھے اور حضرت میاں صاحب سید نذیر حسین محدث کو

مقابل ٹھہرایا ہے اور ظاہر ہے کہ مباحثہ میں ایک وقت میں ایک ہی شخص بول سکتا ہے۔ اس لئے میں گفتگو کرونگا اگر آپ مجھے لاجواب کر دیں تو پھر میاں صاحب کو تکلیف دی جائے گی۔ ورنہ شاگردوں کے ہوتے ہوئے امام وقت اور شیخ الکل کو بولنے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ ۱۱ر اکتوبر ۱۸۹۱ء کو چاندنی محل میں تشریف لے آئیں تاکہ مجلس مباحثہ منعقد ہو۔ دوسری جانب مولانا عبدالحق صاحب مؤلف تفسیر حقانی کا معاملہ تھا جن کے ساتھ مرزا صاحب نے دھوکا کیا تھا۔ معاملہ یہ ہوا تھا کہ مرزا صاحب پہلے انہیں بھی دعوت مباحثہ دے چکے تھے۔ بعد میں مخالفت میں اٹھنے والے طوفان سے گھبرا گئے۔ اور حکمت عملی تبدیل کر لی۔ انہوں نے سوچا کہ دہلی میں احناف اور اہلِ حدیث میں باہم کدورت موجود ہے اس لئے اس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے تب انہوں نے اشتہار میں اہلِ حدیث کے خلاف احناف کے جذبات برانگیختہ کرنے کیلئے خلافِ واقعہ باتیں لکھیں اور مولانا عبدالحق کی تعریف و توصیف کر کے احناف کی ہمدردیاں جیتنے کی کوشش کی۔ لیکن ایک غلطی وہ کر گئے یعنی یہ لکھ دیا کہ مولانا عبدالحق صاحب نے خود درخواست کی ہے کہ وہ مباحثوں میں حصہ نہیں لے سکتے۔ حالانکہ ہوا یہ تھا کہ مرزا صاحب خود ان کے پاس گئے تھے اور کہا تھا کہ حافظ احمد نابینا نے دھوکا دے کر آپ کا نام اشتہار میں شامل کرا دیا ہے ورنہ میں تو صرف غیر مقلدوں سے بحث کرنا چاہتا ہوں۔ آپ سے مقابلہ منظور نہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ آپ بذریعہ اشتہار ہم سے مباحثہ سے دستبردار ہو جائیں تو ہم بھی میدان میں نہیں آئیں گے۔ لیکن مرزا صاحب نے ۲ر اکتوبر کے اشتہار میں الٹ بیان دے دیا۔ جس پر مولانا عبدالحق نے مطبع یوسفی سے اشتہار شائع کرایا کہ مرزا صاحب کی تشریح و عذر غلط ہے۔ اس لئے ہم بھی مباحثہ کے لئے تیار ہیں، آپ ۱۱ر اکتوبر کو ٹاؤن ہال میں آکر مجھ سے مناظرہ کر لیں۔ بعد میں انہوں نے بھی ٹاؤن ہال کی بجائے چاندنی محل کی تجویز پیش کی جو مولانا بٹالوی کی تھی تاکہ مرزا صاحب کہیں اس بنا پر راہ فرار اختیار نہ کر جائیں کہ وہ ایک ہی وقت میں دو مختلف جگہوں پر مباحثہ نہیں کر سکتے ——— یاد رہے کہ مولانا عبدالحق بھی سید نذیر حسین کے شاگرد ہیں۔

مولانا بٹالوی کے ۷ر اکتوبر والے اشتہار کے جواب میں مرزا صاحب نے ۷ر اکتوبر ہی کو یہ اشتہار شائع کرایا:

"میاں صاحب درسِ قرآن و حدیث میں ریش و بردت سفید کر بیٹھے ہیں۔ مگر آپ کو کسی استاد نے حقیقت تک نہیں پہنچایا۔ آپ کو شرم ہونی چاہیئے کہ شیخ الکل ہونے کا دعویٰ ہے اور مسیح کو قرآن و حدیث کی رو سے زندہ سمجھتے ہیں۔ میں حیران ہوں کہ آپ کس بات کے شیخ الکل ہیں! اگر آپ بحث نہیں چاہتے تو ایک مجلس میں میرے دلائل وفاتِ مسیح سن کر تین مرتبہ قسم اٹھائیں

کہ یہ درست نہیں۔" (تبلیغ رسالت مجموعہ اشتہارات جلد ۲ صفحہ ۳۷-۳۸)

میاں صاحب اس دریدہ دہنی سے بڑے نالاں ہوئے اور فرمایا کہ یہ شخص مخاطبت کے قابل نہیں ہے ہاں اگر بحث کرنا ہی چاہتا ہے تو میرے شاگردوں میں سے کسی سے کرلے ——— دہلی کے دوسرے علماء جنہوں نے مرزا صاحب کا چیلنج قبول کیا، ان میں سے ایک مولوی عبدالمجید صاحب تھے۔ جنہوں نے اعلان کیا تھا کہ اگر مرزا صاحب اپنا دعویٰ ثابت کر دیں تو ایک ہزار روپیہ انعام پائیں۔ دوسرے مولوی رحیم بخش صاحب مدرس مدرسۃ القرآن تھے۔ تیسرے مولوی محمد علی خاں صاحب تھے جنہوں نے اپنے اشتہار میں مرزا کو مسجد فتح پوری میں دعوتِ مناظرہ دی تھی۔ انہوں نے یہ بھی لکھا تھا کہ اگر مرزا صاحب کو اندیشہ ہو کہ اجتماعِ عام میں انہیں جان کا خطرہ ہے اور کسی پبلک مقام پر ان کی جان محفوظ نہیں ہوگی تو مرزا صاحب اپنی رہائش گاہ کی چھت پر بیٹھیں۔ میں اس کے بالمقابل دوسرے مکان کی چھت پر بیٹھ جاؤں گا۔ اور درمیان میں بازار بلی ماراں حائل رہے گا۔ اس طرح نقضِ امن کا کوئی خطرہ نہ رہے گا۔ اس طرح کے ۱۴ افراد نے دعوتِ مناظرہ قبول کی تھی لیکن مرزا صاحب تو صرف اشتہار بازی چاہتے تھے۔ اس لئے کسی جگہ تشریف نہ لے گئے۔ مولانا بٹالوی اور مولانا عبدالحق نے جو چاندنی محل میں ۱۱ راکتوبر کو جلسہ کا انتظام کیا تھا، وہاں بھی مرزا صاحب نہ آئے۔ آخر اسی روز عوام کے اصرار پر حضرت میاں صاحب نے دوبارہ دعوتِ مناظرہ قبول کی اور ذاتی طور پر مرزا کو لکھا کہ آج ہی آپ چاندنی محل آجائیں تاکہ بات ہو جائے۔ لیکن مرزا صاحب نہ آئے بلکہ جواب بھجوا دیا کہ عوام میں جوش بہت زیادہ ہے اور جان کا خطرہ درپیش ہے۔ اس پر یہ تجویز قرار پائی، غلام قادر فصیح ڈپٹی کمشنر کے پاس جائیں اور حکومت کی زیرِ نگرانی جلسہ کا انتظام کر کے تاریخ مقرر کر دیں جو ۲۰ راکتوبر مقرر ہوئی اور مقام جامع مسجد دہلی قرار پایا۔

چونکہ اب فرار کے تمام راستے مسدود ہو چکے تھے۔ اس لئے چار و ناچار مرزا صاحب مع اپنے بارہ حواریوں کے بوقتِ عصر جامع مسجد پہنچے۔ حضرت میاں صاحب بھی خواص کے ہمراہ تشریف لے گئے۔ عصر کی نماز ہوئی جس میں شرکت کی توفیق مرزا صاحب کو نہ نصیب ہو سکی اور وہ الگ بیٹھے رہے۔ انگریز سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی مرزا صاحب کی دعوت پر وہاں موجود تھا۔ نواب سعید الدین، مولوی عبدالمجید اور سید بشیر حسین انسپکٹر پولیس میاں صاحب کی طرف سے مرزا صاحب کے پاس گئے اور پوچھا کہ اگر آپ کے دلائل سن کر میاں صاحب نے آپ کی مطلوبہ قسم اٹھالی تو آپ اپنے عقائد سے توبہ کس وقت کریں گے؟ مرزا صاحب گھبرا گئے اور گرد و پیش دیکھنے لگے۔ اس پر ان کے ایک حواری نے کہا کہ ہم ایک سال بعد توبہ کر لیں گے مرزا صاحب کی دعوت پر آیا ہوا انگریز پولیس افسر ہنس کر کہنے لگا" واہ! یہ کیا بات ہوئی، قسم آج

اور تو بر ایک سال بعد! جو ہونا ہے، آج ہی ہو جاتے!" اس نے مرزا صاحب کو بہت سمجھایا۔ لیکن مرزا صاحب ٹس سے مس نہ ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم تو صرف حیات و ممات مسیح پر بحث کرنا چاہتے ہیں۔ اس پر مولوی عبدالمجید صاحب بولے کہ خدا خدا کرکے آپ مناظرہ کے میدان میں آئے ہیں اس لئے آج ان تمام عقائد پر بحث ہو جانا چاہیئے جنہیں ہم خلافِ اسلام سمجھتے ہیں۔ خدا جانے ایسا موقع پھر آئے یا نہ آئے۔ آپ بھی موجود ہیں اور آپ کے حریف اول حضرت میاں صاحب بھی تشریف رکھتے ہیں۔ لیکن مرزا صاحب نے فرمایا کہ کچھ بھی ہو ہم تو صرف حیات و وفات مسیح پر بحث کریں گے۔ شکار ہاتھ سے نکلتا دیکھ کر نواب سید سلطان مرزا نے مولانا محمد حسین بٹالوی کو آگے کر دیا کہ چلو یہی سہی، ان سے بحث کرو۔ مولانا بٹالوی کو سامنے دیکھ کر مرزا صاحب سہم گئے اور مولانا سے مباحثہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر انگریز پولیس افسر نے جلسہ برخواست کر دیا اور کہا کہ میاں صاحب سے بھی جا کر کہہ دو کہ وہ بھی تشریف لے جائیں۔ میر بشارت حسین کوتوال شہر آپ کے پاس آئے اور کہا کہ مرزا صاحب بات نہیں کرتے اس لئے جلسہ برخواست کیا جاتا ہے۔ اس پر آپ گھر تشریف لے گئے اور مرزا صاحب معتوبِ خلائق ہو کر بڑی مشکل سے جان بچا کر واپس جا سکے۔

اس واقعہ کا ذکر مولانا ثناء اللہ امرتسری نے "اہل حدیث" امرتسر بابت ۲۳ دسمبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۴-۵ پر ایک اور انداز سے کیا ہے، آپ بھی ملاحظہ فرمایئے، مولانا لکھتے ہیں:

"ناظرین، مرزا صاحب کے "آخری فیصلہ" والا اعلان آپ کو یاد ہوگا جس کا مضمون یہ تھا کہ مولوی ثناء اللہ مجھ (مرزا) سے پہلے نہ مرے تو میں جھوٹا ہوں۔ اس مضمون پر لدھیانہ میں انعامی مباحثہ بھی ہوا (اس مباحثہ کے جج سردار بچن سنگھ تھے اور ان کے فیصلہ کے مطابق مولانا کو فاتح قرار دیکر انعام کا مستحق قرار دیا گیا۔ مناظرے کا موضوع یہ تھا کہ آیا مرزا صاحب کی موت خود ان کی دعا کے مطابق ہوئی ہے یا نہیں؟ اور وہ اپنی موت مولانا کی زندگی میں ہو جانے کے باعث کذاب ٹھہرتے ہیں کہ نہیں؟ ناقل) اس کے بعد بھی امت مرزائیہ کی طرف سے وقتاً فوقتاً مضامین نکلتے رہے جن کے جوابات بھی دیئے گئے۔ مگر آج ہم ایک ایسے مضمون کا ذکر ناظرین کو سناتے ہیں جس سے ہم کو بیحد مسرت ہوئی۔ ایسی کہ ساری عمر میں نہ ہوئی ہوگی۔ بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ مرزا صاحب قادیانی کو آسمانی نکاح کی کامیابی پر جو خوشی ہوتی، وہ میری اس خوشی کے برابر نہ ہوتی تو بجا ہے۔ کیونکہ مجیب (مضمون نگار مرزائی رسالہ "الفضل") نے لکھا ہے کہ

—— مولوی ثناء اللہ مولوی سید نذیر حسین دہلوی کا بروز ہے —— حدیث شریف میں

آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابیؓ بن کعب کو فرمایا کہ خدا نے مجھے ارشاد فرمایا ہے کہ تجھ سے قرآن سنوں - ابیؓ مارے خوشی کے کہنے لگے " اسمانی اللہ " کیا خدا نے میرا نام لیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا " ہاں " بارے خوشی کے حضرت ابیؓ بن کعب کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے - ——— یہ خاکسار ناکارہ بھی اس وقت اس دلی مسرت کی حالت میں آبدیدہ ہو کر یہ سطور لکھ رہا ہے اور زبان پر جاری ہے ؎

فی الجملہ نسبتے بتو کافی بود مرا
بلبل ہمیں قافیہ گل شود بس است

خیر یہ تو ایک وجدانی کیفیت ہے جسے (مرزائی) راقم مضمون نہیں سمجھ سکتا - اس لئے اس کو ہم یہیں چھوڑ کر اس کی تفصیل سناتے ہیں - جو سننے کے قابل ہے ——— مرزائی راقم مضمون نے ایک تمہید لکھی ہے کہ "جس طرح پہلے نیک لوگوں کے بروز (مثل) پچھلوں میں بعض لوگ ہوتے ہیں، اس طرح برے لوگوں کے بھی بروز ہوتے ہیں - میں عرصہ تک اس تلاش میں رہا کہ ثناء اللہ گزشتہ برے لوگوں میں سے کس کا بروز ہے تو خدا نے مجھے بطفیل اپنے حبیب (مرزا غلام احمد) کے بتایا کہ ثناء اللہ نذیر حسین دہلوی کا بروز ہے!" ——— یہاں تک تو میرے لئے مقام مسرت ہے - اس سے آگے مرزائی نے لکھا ہے کہ "حضرت مسیح موعود نے لکھا ہے ——— "اس بات کو تقریباً ۹ برس کا عرصہ گزر گیا کہ جب میں دہلی گیا تھا اور میاں نذیر حسین غیر مقلد کو دعوتِ دینِ اسلام کی گئی تھی تب ان کے ہر ایک پہلو سے گریز دیکھ کر اور ان کی بدزبانی اور دشنام دہی کو مشاہدہ کر کے آخری فیصلہ یہ ٹھہرایا گیا تھا کہ وہ اپنے اعتقاد کے حق ہونے کی قسم اٹھالے - لیکن وہ بھاگ گیا - اس بھاگنے کی برکت سے اب تک اس کو عمر دی گئی" (اربعین ۳ صفحہ ۱۲ حاشیہ) ———! ——— یہ تحریر مرزا صاحب کی ۱۵ دسمبر ۱۹۰۰ء کی ہے - اس سے ۹ برس پہلے ۱۸۹۱ء ہوتا ہے جب مرزا صاحب پہلی مرتبہ دہلی گئے اور جا کر چند اشتہار دیئے - جن میں سے پہلا اشتہار اکتوبر کو نکلا - اس کے بعد بھی جتنے اشتہار نکلے وہ سب قادیان کی کتاب "تبلیغ رسالت" اور ہماری کتاب "تاریخ مرزا" میں جمع ہیں - ان میں سے کوئی اشتہار اس مضمون کا نہیں جو مرزا صاحب نے حضرت میاں صاحب کی نسبت دعویٰ کیا ہے - یہ محض جھوٹ، افتراء، بہتان بعد الوقوع نکتہ فراواں ہے ؎ ...

دہلی کی ساری روئیداد آپ پڑھ چکے ہیں - کون بھاگا؟ یہ بھی آپ کو معلوم ہو چکا - اور یہ بھی مرزا صاحب نے کہیں نہیں کہا کہ اگر میاں صاحب نے قسم اٹھالی اور وہ جھوٹے ہوئے تو مجھے کی زندگی میں مرجائیں گے - اور اگر

ڈر کر قسم نہ اٹھائی تو عمر میں رعایت دے دی جائے گی ـــــ خیر اس سے آگے پڑھئے، مولانا امرتسری لکھتے ہیں:

"۔ ۔ ۔ وجہ مشابہت بھی سنئے (مولانا امرتسریؒ اور میاں صاحب میں۔ ناقل) مرزائی مضمون نگار لکھتا ہے :ـــ مشابہت تامہ: اب اس مندرجہ بالا حوالہ (اربعین والا۔ ناقل) کے مطالعہ اور ملاحظہ کے بعد کوئی ہے جو اس بات سے انکار کرسکے کہ اشتہار آخری فیصلہ کے بعد مکذب امرتسری کا زندہ رہنا بعینہٖ وہی وجہ نہیں رکھتا جو وجہ مکذب دہلوی (حضرت میاں صاحبؒ۔ ناقل) کے ساتھ آخری فیصلہ ٹھہرائے جانے کے بعد اس کی زندگی کا موجب ہوئی؟ کیا کوئی ہے جو ثابت کرسکے کہ مکذب امرتسری اشتہار آخری فیصلہ کے شائع ہونے پر بعینہٖ اسی طرح نہیں ڈرا؟ بعینہٖ اسی طرح نہیں بھاگا، بعینہٖ اسی طرح اس کو قبول کرنے سے انکار نہیں کیا جس طرح دہلی والے آخری فیصلہ کے قائم ہونے پر مکذب دہلوی ڈرا بھاگا اور اس کو قبول کرنے سے اس نے انکار کیا؟ (الفضل ۲۶ دسمبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۶) ـــــ کیا سفسطہ ہے، بفرض محال حضرت میاں صاحب نے اپنے عقائد پر قسم کھانے سے پہلو تہی کی تو میرے معاملے کی ان سے مشابہت کیسے ہوگئی؟ ـــ یہاں تو ایک فریق نے قسم کھالی۔ وہ فریق بھی معمولی نہیں۔ بلکہ ملہم، مجدد، مہدی، مسیح موعود، نبی اور رسول، اس کی قسم کے الفاظ بھی مصدقہ الٰہی ہیں۔ سب تلبیہ، میرا واقعہ دہلی والے واقعہ سے مشابہ کیونکر ہوا جس میں کسی فریق نے قسم نہ کھائی ہو؟ ہاں ایک طرح سے یہ واقعہ اس واقعہ سے مشابہ ہے۔ کیونکہ مرزا صاحب کہتے ہیں، میں نے مولوی نذیر حسین کو کہا تھا کہ اپنے عقائد کے حق ہونے کی قسم کھالے۔ اگر وہ قسم کھالیتا تو ایک سال تک میری زندگی میں مرجاتا (اربعین ۴ ص۱۱) معلوم ہوا کہ بالمقابل قسم کھانے والا اگر جھوٹی قسم کھالے تو سچے کی زندگی میں مرجاتا ہے ـــــ بتاؤ پھر کیا ہوا؟ ـــ ۲۶ رمئی ۱۹۰۸ء کو کون مرا؟ ـــــ اور یہ سطور اس وقت (۲۲ر دسمبر ۱۹۳۲ء) کون لکھ رہا ہے؟" (اہل حدیث امرتسر بابت ۲۲ر دسمبر ۱۹۳۲ء)

قارئین!

مولانا امرتسریؒ کی زبانی یہ تفصیل ہم نے آپ کو اس لئے سنائی ہے کہ آپ واقعہ دہلی بھی ملاحظہ فرماچکے ہیں۔ اور آپ کو بتانا یہ مقصود تھا کہ مرزا صاحب اور ان کے پیروکار میدان میں مار کھانے کے بعد واپس آکر کس طرح حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کیا کرتے تھے ـــــ جامع مسجد دہلی کے اس واقعہ کے بعد بھی دہلی میں مرزا صاحب کی جان نہیں چھوٹی بلکہ ایک امتحان ابھی باقی تھا۔ وہ یہ کہ مولانا محمد بشیر مصنفؒ برہان العجائب، مرزا صاحب کی دہلی میں آمد کا سن کر دہلی چلے آئے اور شومئی قسمت کہ مرزا صاحب نے ان سے تحریری مباحثے کی داغ بیل

ڈال دی —— مرزا صاحب نے اگرچہ تاویلات کے در کھول دیئے تھے، لیکن محاکمہ سخت ہو جانے پر بھاگ اٹھے۔ اور اسٹیشن پر اپنے خسر کے استقبال کا بہانہ کر کے گئے اور پھر واپس نہ آئے۔ جس پر مولانا نے "خسر الدنیا والآخرۃ۔ ذالك هو الخسران المبين" پڑھی —— اس تحریری مباحثے کی روئیداد "الحق الصریح فی اثبات حیاۃ المسیح" کے نام سے طبع ہو چکی ہے!

اس سے پہلے ہم بتا چکے ہیں کہ ۱۸۹۱ء میں مرزا صاحب نے "ازالہ اوہام" تحریر فرمائی تھی۔ جس میں قرآن وحدیث کی رو سے اپنا دعویٰ مسیحیت ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کتاب کے بہت سے جواب ہوتے۔ جو سنین مابعد کی بات ہیں۔ ۱۸۹۱ء میں اس کتاب کا جواب ۳۴ صفحات پر مشتمل رسالے "الدلیل علی اثبات حیاۃ المسیح بن مریم وتکذیب خروج المثیل" کے نام سے ملتِ اسلامیہ کے ایک محسن جناب کرم الٰہی صاحب نے دیا۔ یہ رسالہ جولائی ۱۸۹۱ء میں اسلامیہ پریس لاہور سے طبع ہوا۔

اس کے بعد ہم ۱۸۹۱ء کی سرگرمیوں میں اس مشہور عالم فتویٰ کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو مرزا صاحب کے کفر پر سب سے پہلا فتویٰ تھا اور جس نے مرزا صاحب کی راتوں کی نیند حرام کر دی۔ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب رقمطراز ہیں:

> "مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے ایک فتویٰ تیار کیا جس میں طرح طرح کے غلط عقائد حضرت اقدس کی طرف ناحق منسوب کر کے آپ کو نعوذ باللہ مفتری، کافر، ملحد اور دجال ٹھہرایا اور اس کفر کے فتویٰ پر سب سے پہلے اپنے استاد مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی سے دستخط کروائے . . . اس کارنامہ کے بعد مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اس سال یعنی ۱۸۹۱ء میں اس فتویٰ کو بڑے طمطراق سے شائع کیا اور اپنی طرف سے سمجھ لیا کہ وہ جو میں نے کہا تھا کہ میں نے مرزا کو بلند کیا تھا اور میں ہی اسے نیچے گراؤں گا، وہ قول اس طرح پورا ہو گیا۔" (مجدد اعظم ج ۱ ص ۳۲۵)

شیخ الکل کا یہ فتویٰ سینکڑوں صفحات کی دستاویز ہے جس میں بڑی تفصیل کے ساتھ قرآن وسنت کی روشنی میں مرزا صاحب کے عقائد پر بحث کی گئی ہے اور مرزا کے خلاف کام کرنے والوں کا دامن اس فتوے کے ذریعے دلائل سے بھر دیا۔ اس فتویٰ کے اقتباسات اور اس کے ردِ عمل کی تفصیلات ہم آئندہ بیان کریں گے۔ فی الحال یہ بتائے جاتے ہیں کہ اس فتویٰ کی اشاعت کے بعد جو مولانا بٹالوی کے رسالہ ماہنامہ "اشاعۃ السنۃ" میں شائع ہوا۔ مرزا صاحب نے اسی سال کے دسمبر میں "فیصلہ آسمانی" تالیف کر کے شائع کی جس میں ہندوستان کے تمام چیدہ علماء و مشائخ کو نام لے کر مباحثے کے لئے چیلنج کیا۔ اس چیلنج میں سرفہرست حضرت میاں صاحب سید نذیر حسین محدث دہلوی کی ذاتِ گرامی ہے۔

(جاری ہے)